27

الہامِ الٰہی کی بناء پر معاملات کی صفائی اور مظلوم کی امداد کے متعلق تحریک

(فرمودہ 14 جولائی 1944ء بمقام ڈلہوزی)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"مَیں آج ایک ایسے امر کے متعلق بیان کرنے لگا ہوں جو اِس لحاظ سے کہ جن لوگوں کے ساتھ اِس کا تعلق ہے اُن میں سے اکثر اِس وقت موجود نہیں ہیں، کچھ عجیب سا لگتا ہے۔ لیکن مَیں نہیں چاہتا کہ اِس کے اظہار کے لیے ایک دن کی بھی دیر لگاؤں۔ اِس لیے اس کو بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

تین چار دن کی بات ہے کہ صبح کے وقت جب میری آنکھ کُھلی تو اُس وقت ایک لمبا مضمون میرے دل پر نازل ہو رہا تھا۔ وہ اِتنا لمبا مضمون تھا کہ مَیں اُس کو یاد رکھ ہی نہیں سکتا تھا لیکن اس کا مفہوم اختصاراً یاد رہ گیا ہے۔ اِس حالت میں مَیں نے دیکھا کہ مَیں گویا اپنی اولاد کو مخاطب کر کے کچھ کہہ رہا ہوں۔ وہ مضمون تو جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے بہت لمبا تھا لیکن اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ مَیں کہتا ہوں کہ جس طرح حِلف الفضول رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں

ہوئی تھی اگر ایسا ہی ایک معاہدہ میری اولاد کر لے تو اِس کے نتیجہ میں اِس پر خدا کے فضل خاص طور پر نازل ہوں گے اور وہ کبھی تباہ نہ ہوگی۔

یہ چیز جس کی طرف مَیں نے اشارہ کیا ہے اِس وقت پوری طرح یاد نہیں کہ تاریخوں میں اس کا نام حَلفُ الْفُضول ہے یا حِلفُ الْفُضول ہے۔ بہر حال دونوں لفظ عربی ہیں۔ حَلف کے معنے قسم کے ہیں اور حِلف معاہدہ کو کہتے ہیں۔ جہاں تک یاد پڑتا ہے غالباً حِلفُ الْفُضول کا لفظ ہے۔ یہ ایک معاہدہ تھا جو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعثت سے قبل ہوا جس میں زیادہ جوش کے ساتھ حصہ لینے والے تین فضل نام کے آدمی تھے اِس لیے اِس کو حِلفُ الْفُضول کہتے ہیں۔ اور اِس معاہدہ کا مطلب یہ تھا کہ ہم مظلوموں کو اُن کے حقوق دلوانے میں مدد کیا کریں گے اور اگر کوئی اُن پر ظلم کرے گا تو ہم اس کو روکیں گے۔ باہر سے جو لوگ مکہ میں آتے ہیں اُن میں سے کوئی حج کے لیے آتا ہے، کوئی عمرہ کے لیے آتا ہے اور کوئی تجارت کے لیے آتا ہے۔ یہاں کی غذا اور دیگر تمام ضروریات باہر سے پوری ہوتی ہیں۔ اِس لیے اگر وہ نہ آئیں تو گزارہ نہیں ہوتا اور اگر آئیں تو اُن پر ظلم ہوتا ہے۔ بعض دفعہ لوگ اُن سے چیزیں لے لیتے ہیں اور قیمت نہیں دیتے اور بعض دفعہ چیز خراب کر کے واپس کر دیتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے معاہدہ کیا کہ جب کبھی اِس قسم کی بات ہوگی حِلفُ الْفُضول والے مل کر یا اکیلے اکیلے مظلوم کا حق دلوایا کریں گے اور اس بات میں ایک دوسرے کی تائید کریں گے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی ایک آدمی آیا اور اُس نے ذکر کیا کہ اِس قسم کا ایک معاہدہ ہوا ہے آپ بھی اِس میں شامل ہوں۔ آپ نے اِس کو بہت پسند فرمایا اور اس معاہدہ پر آپ نے بھی دستخط کر دیئے یعنی شمولیت کا اظہار فرمایا۔ ورنہ ویسے تو آپ دستخط نہیں کر سکتے تھے۔ بعد میں نبوت کے ایام میں بلکہ مدینہ کی زندگی میں ایک دفعہ ایک شخص نے ذکر کیا کہ یا رسولَ اللہ! کفر میں بھی بعض اچھے کام ہوتے تھے۔ چنانچہ اُس نے حِلفُ الْفُضول کا ذکر کیا اور عرض کیا کہ سنا ہے آپ بھی اُس میں شامل ہوئے تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اگر جاہلیت کی کسی ایسی ہی چیز کی طرف جس طرح کہ حِلفُ الْفُضول تھی مجھے پھر بلایا جائے تو مَیں اُس کو ضرور قبول کروں اور اُس میں شامل ہوں۔ فرمایا لَوْ دُعِیْتُ لَاَجَبْتُ۔[1]

آج بھی مَیں اس قسم کی دعوت کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔ چنانچہ اَور کافروں کا تو پتہ نہیں کہ انہوں نے اِس معاہدہ پر عمل کیا یا نہیں لیکن آپ نے اس پر عمل کیا۔

نبوت کے دعوٰی کے بعد جبکہ مخالفت شدید ہوگئی اور مخالف ہر رنگ میں آپ کو اور آپ کے صحابہؓ کو نقصان پہنچانا جائز سمجھتے تھے۔ جس طرح کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی ہوا کہ مخالفین، احمدیوں کا مال کھالینا اور ان کو نقصان پہنچانا جائز سمجھتے ہیں۔ اِسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مکّہ میں صحابہؓ کو یہ سب تکالیف ہوتی تھیں۔ کفار کے بڑے بڑے سردار جن میں ابوجہل، عتبہ اور شیبہ وغیرہ شامل تھے اکٹھے ہوئے اور انہوں نے مسلمانوں سے بائیکاٹ کرنے کا معاہدہ کیا کہ کوئی شخص ان کے ساتھ کلام نہ کرے، ان کے سلام کا جواب نہ دے، ان کے حقوق کو دبالینا سراسر جائز ہے اور ان کی کوئی بات خواہ وہ بالکل سچی ہو بالکل نہ مانو۔ اُس زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ باہر سے ایک شخص آیا۔ ابوجہل نے اُس سے کچھ مال خریدا تھا اور اس کی قیمت ادا نہیں کرتا تھا اور نہ ہی مال واپس کرتا تھا۔ وہ شخص آیا اور جن جن لوگوں نے حِلْفُ الْفُضول میں حصہ لیا تھا باری باری اُن کے پاس گیا اور کہا کہ آپ لوگوں نے عہد کیا ہوا ہے کہ مظلوم کی مدد کریں گے آپ میری مدد کریں اور ابوجہل سے میرے مال کی قیمت یا میرا مال واپس دلوا دیں۔ لیکن ان میں سے ہر ایک شخص ابوجہل جیسے بدگو انسان کے پاس جانے سے ڈرتا تھا اور پھر وہ رئیس بھی تھا اِس لیے ہر ایک نے انکار کر دیا کہ وہ نہیں جاسکتا۔ آخر پھرتے پھراتے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ اس اس طرح ابوجہل نے مجھ سے مال لیا تھا اب نہ وہ قیمت دیتا ہے اور نہ مال ہی واپس کرتا ہے۔ آپ میری مدد کریں اور میرا مال واپس دلوا دیں یا قیمت لے دیں۔ آپ نے فرمایا ہاں چلو۔ اور باوجود اِس قدر شدید مخالفت کے کہ وہ آپ کی بات سننا بھی ناپسند کرتا تھا آپ اُس کے ساتھ چل پڑے اور ابوجہل کے گھر پر جاکر دستک دی۔ اُس نے اندر سے پوچھا کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)۔ اُس نے دروازہ کھول دیا اور پوچھا کہ کس طرح آئے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ شخص کہتا ہے کہ آپ نے اِس سے کچھ سامان لیا تھا اور اس کے روپے نہیں دیے۔ مَیں اس لیے آیا ہوں کہ اس کے روپے ادا کر دیجیے۔ اُس نے بغیر

کسی چون و چرا کے کہا بہت اچھا اور روپے لا کر دے دیے۔ جس شخص پر آپ نے اتنا بڑا احسان کیا تھا وہ کب خاموش رہ سکتا تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تو اس کا ذکر نہیں کرنا تھا۔ لیکن اُس نے ہر جگہ ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا کہ مَیں فلاں کے پاس گیا اور اُس نے میری مدد نہ کی، فلاں کے پاس پہنچا اور اُس نے مدد سے انکار کر دیا۔ آخر مَیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس گیا اور انہوں نے میرا حق دلوا دیا۔ جب یہ بات پھیلی تو لوگوں نے ابوجہل پر ہنسنا شروع کیا کہ یہ عجیب بے غیرت آدمی ہے۔ یہ تو کہا کرتا تھا کہ اِن کے ساتھ بات کرنا بھی منع ہے اور اِن کی سچی بات کو ماننا بھی جائز نہیں۔ لیکن جس بات سے یہ لوگوں کو منع کیا کرتا تھا خود اس نے اِس کی خلاف ورزی کی اور محمد سے ڈر کر اس کی بات مان لی۔ آخر بڑھتے بڑھتے نوبت یہاں تک پہنچی کہ چھوٹوں سے بڑوں نے سنا اور بڑوں سے پھر اُن سے بڑوں نے سنا اور ہوتے ہوتے یہ بات عتبہ، شیبہ وغیرہ کے پاس بھی جا پہنچی اور انہوں نے ابوجہل کو اِس بات پر مجلس میں پکڑا کہ تم نے یہ کیا حرکت کی؟ جس بات سے تم دوسروں کو روکا کرتے تھے تم خود اس کے مرتکب ہوئے یہ کیا تمسخر ہے؟ ابوجہل نے جواب دیا خدا کی قسم! معلوم نہیں کیا ہوا۔ مَیں ان کی بات تو سننے والا نہیں تھا۔ لیکن جب مَیں نے دروازہ کھول کر دیکھا تو یوں معلوم ہوا کہ دو وحشی اونٹ محمد کے دائیں اور بائیں سے اِس طرح میری طرف بڑھے کہ مجھے یوں معلوم ہوا کہ اگر مَیں نے انکار کیا تو یہ مجھے کھا جائیں گے۔ اِس وجہ سے مجھے طاقت نہ رہی کہ مَیں انکار کرتا۔**2**

اب چاہے اس کو معجزانہ طور پر سمجھ لو اور چاہے یہ سمجھ لو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اخلاقی طاقت اور جرأت دیکھ کر کہ باوجود شدید مخالفت کے آپؐ ابوجہل کے گھر پر جا پہنچے، ابوجہل کے مشرک دماغ پر توہّم کے اثر سے یہ صورت پیدا ہوگئی۔ پس چاہے اِس کو ابوجہل کے دماغ کے وہم کی ایجاد سمجھ لو، چاہے صرف خدا کی نصرت کا معجزہ سمجھ لو بہرحال ہوا یہی کہ ابوجہل نے بغیر کسی چون و چرا کے فوراً مال کی قیمت ادا کر دی۔

تو یہ ہے وہ حِلفُ الفُضول جس کے متعلق مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ مَیں اپنی اولاد کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہوں کہ اگر اِسی قسم کا ایک معاہدہ وہ بھی کریں اور پھر اس کو پورا

کرنے کی کوشش کریں تو خدا تعالیٰ ان کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ ان پر اپنے فضل نازل فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اِس سے مراد جسمانی اولاد ہے یا جماعت مراد ہے کیونکہ جماعت بھی روحانی اولاد ہی ہوتی ہے۔ بہرحال یہ ایک ایسا مضمون ہے جو شاید سالہاسال سے بھی میرے ذہن میں نہیں آیا ہوگا۔ آٹھ دس سال سے تو حِلفُ الفُضول کا لفظ بھی میرے ذہن میں نہیں آیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اِس طرف توجہ دلائی ہے جو اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ الہامِ ربانی ہے۔ اِس میں نفس کا دخل نہیں۔ درحقیقت یہ اِس زمانہ کی اہم درجہ کی نیکی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ اِس زمانہ میں بالخصوص امیر لوگ غریبوں کو لُوٹتے ہیں اور اِس لُوٹنے میں راحت محسوس کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ کسی شخص نے جس کا نام نانک تھا یا شاید اس نے شرارتاً بابانانکؒ کا نام لے کر یہ شعر بنالیا۔ حضرت بابانانکؒ تو نیک آدمی تھے۔ ان کی زبان سے تو اس قسم کی بات نہیں نکل سکتی۔ وہ کہتا ہے ؎

مال پرایا نانکا جیوں بُوری مہیں دا دودھ
کھایئے پیئیے ورتیے تے کارن ہوون سُدھ

یعنی اے نانک! پرایا مال ایسا سمجھنا چاہیے جس طرح بھوری بھینس کا دودھ ہوتا ہے۔ بھوری بھینس کے دودھ کو اچھا سمجھا جاتا ہے۔ عام طور پر سیاہی مائل بھینس کثرت سے ہوتی ہے۔ خالص بھوری بھینس کم ہوتی ہے۔ جیسے کالی گائے کم ہوتی ہے اِس کے دودھ کو بھی عمدہ سمجھا جاتا ہے۔ تو کالی گائے اور بھوری بھینس دونوں کم ملتی ہیں۔ بِالعموم بھینسیں پوری سیاہ یا سیاہی مائل ہوتی ہیں۔ تو وہ کہتا ہے کہ جس طرح بھوری بھینس کا دودھ طاقتور اور لذیز ہوتا ہے ایسا ہی دوسروں کا مال بھی لذیز ہوتا ہے۔ اِس لیے پرائی چیز اگر لینے والی ہو تو لے لو۔ اگر برتنے والی ہو تو اُسے برتو۔ اگر کھانے والی ہو تو اُسے کھاؤ۔ اگر ایسا کروگے تو "کارن ہوون سُدھ"۔ اگر غیر کے مال کو اٹھانا جائز سمجھوگے تب تمہارے کام درست ہوں گے۔ اور اگر نیکی اور تقوٰی اختیار کروگے کہ غیر کے مال کو لینا حرام اور ناجائز ہے تو مصیبت میں پڑے رہوگے اور اس طرح

تمہیں امن نہیں ملے گا۔

یہ گویا اس وقت کے لوگوں کا نقشہ ہے۔ کسی نانک نے جو یقیناً حضرت باوانانکؒ نہیں بلکہ کوئی ایسانانک ہے کہ جو خدا اور رسول کی عزت اپنے دل میں نہیں رکھتا تھا اپنے زمانہ کا یہ نقشہ کھینچا ہے کہ اِس وقت دنیا کا یہ حال ہے کہ اس زمانہ میں تقوٰی اور امانت کو بالکل نقصان دہ اور خرابی والی چیز سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی ان باتوں پر عمل کرے جو اسلام نے نیکی، تقوٰی، دیانتداری وغیرہ کے متعلق بتائی ہیں بلکہ دوسرے مذاہب نے بھی نیکی اور دیانت کے متعلق جو تعلیم دی ہے اِس میں سارے مذہب شامل ہیں۔ ہندو بھی یہی کہتے ہیں کہ دیانت داری بڑی اچھی چیز ہے، عیسائی بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ بڑی اچھی چیز ہے، یہود بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ بڑی اچھی چیز ہے۔ پس جہاں تک اصول کا تعلق ہے کوئی مذہب بھی ایسا نہیں جو یہ کہتا ہو کہ امانت نہ برتو یا سچائی اور دیانتداری سے کام نہ لو یا انصاف نہ کرو۔ لیکن اِس کا کہنے والا اس قسم کی باتوں پر عمل کرنا اپنی بربادی سمجھتا ہے اور اپنی راحت اور چَین اور سُکھ اِسی میں سمجھتا ہے کہ غیروں کا مال جس طرح چاہو ہتھیاؤ اور کھاؤ اور پیوٗ۔ اگر ایسا کروگے تو یہی سُکھ کا موجب ہو گا اور اگر ایسا نہیں کروگے تو راحت اور چین نہیں ملے گا۔ اس کے نزدیک یہ بھی کوئی عقلمندی ہے کہ ہمارے پاس پیسے نہ ہوں اور ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بغیر اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے بیٹھے رہیں۔ عقلمندی یہی ہے کہ اپنی ضرورت کو پورا کرنا چاہیے اگرچہ ڈاکہ ڈال کر یا بددیانتی سے پوری کرنی پڑے۔ یہ چیز اِس زمانہ میں ہم عام طور پر دیکھ رہے ہیں اور سو میں سے ننانوے آدمی اسی خرابی میں مبتلا ہیں۔

ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت کچھ پاک ہے۔ مگر پھر بھی معاملات کی صفائی اور مظلوم کی امداد میں بہت کچھ ترقی کی ان کو ضرورت ہے۔ یاد رکھو! بعض چیزیں تقوٰی شعار ہوتی ہیں اور ہر زمانے کا یہ شعار اُس زمانے کی نیکی کے لحاظ سے اونچا نیچا ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے مَیں نے بارہا خطبات اور تقاریر میں اِس طرف توجہ دلائی ہے کہ کبائر کے یہ معنے کرنا کہ وہ کوئی خاص جرائم ہیں یہ غلط ہے۔ کبیرہ تو اُس کو کہتے ہیں جس کا چھوڑنا نفس پر بوجھل ہو۔ پس جو چیز جسم پر بوجھل محسوس ہو اُسی کو کبیرہ کہیں گے۔ چنانچہ قرآن کریم میں بھی یہ لفظ

اِنہی معنوں میں آیا ہے کہ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ 3 کہ نماز نہ ڈرنے والوں کی طبیعت پر بوجھل ہے۔ تو کبائر کے معنے یہ ہیں کہ جن کا چھوڑنا طبائع پر بوجھل محسوس ہو۔ اِسی طرح نیکیوں میں سے بھی جو نیکی زمانہ یا طبائع کے لحاظ سے زیادہ گراں ہوگی اُس زمانہ میں اُسی کو بڑی نیکی کہا جائے گا۔ اگر کسی زمانہ میں مثلاً لوگوں کو روپیہ ضائع کرنے کی عام عادت ہو لیکن جان دینے سے ڈرتے ہوں تو اُس زمانہ میں چندے دینا بڑی نیکی نہیں ہوگی بلکہ جان دینا بڑی نیکی ہوگی۔ اور اگر کسی زمانہ میں کھانے پینے کے لحاظ سے لوگ اِس بات کے عادی ہو چکے ہوں کہ وہ بُھوکا رہنا برداشت نہ کر سکیں تو اُس زمانہ میں نہ جان دینا بڑی نیکی ہوگی اور نہ چندہ دینا بلکہ روزہ رکھنا بڑی نیکی سمجھا جائے گا۔ ایسا ہی اگر کسی زمانہ میں عدل و انصاف اُڑ گیا ہو تو اُس زمانہ میں عدل و انصاف کو قائم کرنا سب سے بڑی نیکی ہوگی۔ اگر کسی زمانہ میں ماں باپ کا ادب اولاد کے دلوں سے اٹھ گیا ہو تو اس زمانہ میں ماں باپ کا ادب سب سے بڑی نیکی کہلائے گا۔ پس جو نیکی طبائع پر گراں گزرتی ہو اُس زمانہ کے لحاظ سے وہی سب سے بڑی نیکی ہوگی۔ اور جس بدی کا چھوڑنا طبیعت پر گراں ہو اُس زمانہ میں وہی بدی اس زمانہ کے لحاظ سے کبیرہ کہلائے گی۔ تو گناہ بھی اور نیکیاں بھی زمانہ کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہیں۔

اِس زمانہ میں سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم نہیں رکھا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ دوسرے سارے کام کر لیں گے، چندے بھی دیں گے، نمازیں بھی پڑھیں گے، اَور بھی کئی کام کر لیں گے لیکن جہاں دین کو دنیا پر مقدم کرنا پڑے گا وہاں اِن میں سے کچھ کمزوری دکھلائیں گے۔ پس ایسے موقع پر چندہ دینا بڑی نیکی نہیں کہلائے گا بلکہ اس موقع پر دین کو دنیا پر مقدم کرنا سب سے بڑی نیکی ہوگی کیونکہ ہر موقع پر نیکی کی شکل بدلتی رہتی ہے اِسی طرح یہ بھی ہے کہ امیر اور غریب میں امتیاز کیا جاتا ہے۔ قضاء اور عدالت کے معاملہ میں کمزوری دکھائی جاتی ہے۔ اَور تو اَور بعض لوگ میرے پاس بھی آجاتے ہیں حالانکہ مَیں وہ آخری شخص ہوں جس کو قضاء کا احترام قائم کرنا چاہیے۔ لیکن وہ میرے پاس بھی آجائیں گے اور مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا 4 کی آیت پڑھ کر کہیں گے کہ مَیں اُن کی شفاعت کروں یا بطور قاضی یہ بددیانتی کروں کہ جس کا حق ہے اُس کے

حق کو نظر انداز کر کے ان کو وہ حق دلا دوں۔ اِس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ انصاف اور عدالت کی عظمت باقی نہیں رہی۔ ورنہ یہ بات تو انہیں ایک چوہڑے کے سامنے بیان کرتے ہوئے بھی شرم کرنی چاہیے تھی۔ مگر وہ چوہڑے کے پاس نہیں، کسی مومن کے پاس نہیں، کسی صالح کے پاس نہیں، کسی صدیق کے پاس نہیں بلکہ خلیفۂ وقت کے پاس براہ راست جا کر یہ بات کہتے ہیں کہ یوں کر دو۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ ایسے انسان کا دل اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ[5] کے مطابق جانور کی طرح بلکہ اُس سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ اور پھر ساتھ ساتھ قرآن بھی پڑھتے جائیں گے کہ شفاعت کا حکم تو خدا نے دیا ہے حالانکہ اس موقع پر خدا اور اُس کے فرشتے لعنت بھیج رہے ہوتے ہیں۔

غرض دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی شکل بدلتی رہتی ہے۔ عدل اور انصاف آجکل بہت مشکل ہو گیا ہے۔ ہمارے ملک میں بغیر کمی بیشی کے کسی چیز کی خرید و فروخت نہیں ہوتی۔ دو پیسے کا سَودا لینا ہو آدھ گھنٹہ بحث کریں گے تب جا کر اسے خریدیں گے۔ یہاں ڈلہوزی کا واقعہ ہے کہ ہمارے ایک ساتھی ایک دکان سے تصویروں کا ایک سیٹ خریدنے کے لیے گئے اور گھنٹہ بھر اُس دکاندار سے بحث کرتے رہے اور جھگڑا چھ آنے سے بارہ آنے تک اوپر نیچے ہوتا رہا اور اِس پر ایک گھنٹہ صَرف کر دیا۔ آخر دکاندار نے اُن سے کہا کہ آپ نے خوامخواہ میرا بھی وقت ضائع کیا اور اپنا بھی اور اپنے ان ساتھیوں کا بھی۔ تو ہمارے ملک میں یہ عام مرض ہے کہ کسی طرح دوسرے کو لُوٹ لیں۔

پس حِلْفُ الْفُضول یہ ہے کہ یہ معاہدہ کیا جائے کہ ہر شخص کا جو حق ہو وہ اُس کو دلانے کی کوشش کی جائے۔ اور یہ عادت چھوڑ دیں کہ کسی کا حق ماریں بلکہ جس شخص کا حق مارا جا رہا ہو اُس کا حق دلانے کی کوشش کریں۔ خود میرے بھائیوں، بیویوں اور اولاد کے بارے میں بھی مجھ پر یہی اثر ہے کہ وہ سب اِس نیکی میں سَو فیصدی پورے نہیں اُترے۔ بلکہ مَیں نے دیکھا ہے کہ ان میں سے بھی بعض سَودا کرتے وقت یا لین دین کے وقت چاہیں گے کہ رعایت سے اُن کو حق سے کچھ زیادہ ہی مل جائے۔ پس مَیں سمجھتا ہوں کہ شاید اِسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے اِس طرف توجہ دلائی ہے۔ جس سے اگر میری جسمانی اولاد مراد ہے تو وہ اور

اگر روحانی مراد ہے تو وہ اِس قسم کا معاہدہ کریں کہ امانت، عدل اور انصاف کو قائم کریں گے۔ شروع میں ہر چیز کی بنیاد چھوٹی ہوتی ہے مگر پھر اُسی پر بڑی عمارت تیار ہوتی ہے۔ ابتدا میں ہر چیز قلیل ہوتی ہے اور پھر اُس سے ترقی کرتے کرتے بڑی بنتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے مادے جن کو نیو کلیس (Neuclious) کہتے ہیں شروع میں باریک ذرے ہوتے ہیں جو بعد میں ترقی کرتے کرتے اربوں ارب ٹن کے اجرام بن جاتے ہیں جن کے سامنے زمین بھی ذرّہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن یہی چیز پہلے چھوٹے چھوٹے ذرّات ہوتے ہیں جو غبار میں حرکت کرتے رہتے ہیں اور پھر چکر کھانا شروع کر دیتے ہیں۔ درمیان میں گریوٹی (Gravity) پیدا ہو جاتی ہے اور چکر کھاتے کھاتے اور ذرّے اُس کے ساتھ چمٹتے جاتے ہیں یہاں تک کہ ایک گولا بن جاتا ہے۔ اِسی طرح بڑھتے بڑھتے جب وہ گیند کے برابر ہو جاتا ہے تو اُس کے اندر اَور طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب فٹ بال کے برابر ہو جاتا ہے تو اُس کے اندر اَور طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ہوتے ہوتے جزیرہ بن جاتا ہے۔ پھر اَور کشش ہوتی ہے۔ اِدھر سے چکر اُدھر سے کشش۔ لازمی بات ہے کہ جب کسی چیز کے اندر چکر پیدا ہو تو وہ کچھ چیزوں کو اپنے اندر کھینچتی ہے اور کچھ چیزوں کو باہر پھینکتی ہے۔ آخر اِسی طرح کشش اور چکر کے نتیجہ میں زمین تیار ہو جاتی ہے۔ اِسی طرح اگر چند مومن اِس کام کے لیے کھڑے ہو جائیں کہ آئندہ ہم نہ کسی کا حق ماریں گے اور نہ مارنے دیں گے۔ تو خدا کے نزدیک وہ اِس زمانہ کے آدم ہوں گے امانت کے، آدم ہوں گے دیانت کے، آدم ہوں گے عدل و انصاف کے۔ اگر میری اولاد کو خدا تعالیٰ یہ توفیق دے تو وہ یہ عہد کریں کہ جہاں کہیں بھی انہیں یہ معلوم ہو کہ کوئی کسی کا حق مار رہا ہے تو وہ اُس کو سمجھائے اور کسی کا حق مارنے سے اُسے روکے۔ اِس سے اپنی بھی اصلاح ہوتی ہے کیونکہ اگر منع کرنے والے شخص کے اپنے اندر یہ نقص ہو گا تو جب وہ دوسرے کو منع کرے گا تو وہ اُسے پکڑے گا کہ تُو نے فلاں شخص کا حق مارا تھا۔ تو اِس طرح انسان کو اپنے نقص کا پتہ لگتا رہے گا۔ یا اگر وہ مراد نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ روحانی اولاد کو توفیق دے دے کہ وہ یہ عہد کریں کہ ہم کسی کا حق نہیں ماریں گے اور جہاں پتہ لگے گا کہ کوئی کسی کا حق مار رہا ہے ہم وہاں جا پہنچیں گے اور خواہ کوئی ہم سے پوچھے یا نہ پوچھے ہم ضرور اُس میں دخل دیں گے کہ اُس کا حق

ملنا چاہیے۔ جیسے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور ابوجہل کے گھر پر جا پہنچے جو آپ کا دشمن تھا۔

اِسی طرح ہماری جماعت کے چند افراد یہ عہد کرلیں کہ ہم دیانت اور امانت کو قائم کریں گے اور جہاں پتہ لگے گا کہ کسی کی حق تلفی ہو رہی ہے چاہے کوئی پوچھے یا نہ پوچھے ہم چودھری بن کر جا پہنچیں گے اور کوشش کریں گے کہ مظلوم کا حق دلایا جائے۔ مگر اس حِلف کے لیے ابتدا میں کچھ تعداد ہونی چاہیے۔ اکیلے معاہدہ کرنے کے کوئی معنے نہیں۔ اکیلے میں بعض لوگ دشمنی کا بدلہ لینا ہو تو تقوٰی کا نام لے کر جس سے دشمنی ہو گی اُس کے خلاف شور مچانا شروع کر دیں گے کہ اس نے فلاں کا حق مار لیا۔ لیکن اگر جماعتی معاہدہ ہو گا تو نگرانی بھی ہوتی رہے گی اور باقی ساتھی اُس شخص کو جو اِس عہد سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مخالفوں کو ذلیل کرنا چاہے گا پکڑیں گے کہ تم نے تو اِس عہد کو اُلٹا غصہ نکالنے کا ذریعہ بنالیا ہے اور اِس طرح جماعت روک بن جائے گی اُس کے غلط استعمال میں۔ پس کچھ لوگ چاہییں جو یہ معاہدہ کریں کہ اِس معاملہ میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے، مظلوموں کو اُن کے حق دلوائیں گے، دیانت، امانت، عدل اور انصاف کو قائم کریں گے۔

پس مَیں نے یہ بات آج خطبہ میں بیان کر دی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک میری جسمانی اولاد مراد ہے تو پھر بھی یہ بڑی رحمت ہے اور خدا فرماتا ہے کہ جو اِس طرح کریں گے وہ تباہ نہیں ہوں گے اور اُن پر خدا کے فضل نازل ہوں گے۔ اور اگر خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی روحانی اولاد مراد ہو تو چاہیے کہ جماعت کے چند آدمی یہ معاہدہ کریں کہ وہ نہ خود کسی کا حق ماریں گے اور نہ کسی کو مارنے دیں گے اور دوسرے لوگوں کو بھی اپنے میں شامل ہونے کی تحریک کریں۔ اگر جماعت اِس پر پورا پورا عمل کرے تو چند سالوں کے اندر ہی امانت اور دیانت اور عدل و انصاف لوگوں کے دلوں میں قائم ہو جائے۔ پس مَیں نے اپنے فرض سے یہ کہہ کر سبکدوشی حاصل کرلی ہے کہ خطبہ میں اِس کا اعلان کر دیا ہے۔ بجائے اِس کے کہ مَیں قادیان جاؤں یا لڑکے یہاں آئیں، مَیں نے فوراً اِس کا بیان کر دینا ضروری سمجھا۔ کیونکہ یہ پیغام ایسا نہیں کہ مَیں ایک دن کی بھی اِس میں دیر کروں۔ بلکہ میں اِس میں دیر کرنا

ناجائز سمجھتا ہوں۔ کیا معلوم انسان پر کونسا وقت آجائے کہ پھر وہ پیش ہی نہ کر سکے۔ اِس لیے اِس خیال سے کہ جمعہ کی تقریب پر وہ وقت آیا ہوا ہے مَیں نے یہی ضروری سمجھا کہ اِس کے بیان میں دیر نہ کروں۔ پس ہر وہ شخص جس کے دل میں تقویٰ اور احکام میں سابق بننے کی خواہش ہے وہ آگے بڑھے اور یہ معاہدہ کر کے اللہ تعالیٰ کے دربار میں اِس نیکی کا آدم بنے۔ جس طرح نیکی کا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہوتا ہے اسی طرح نیکی کا آدم بھی ہوتا ہے۔ ہر وہ شخص جس سے کسی نیکی کی ابتدا ہو وہ اُس نیکی کا آدم کہلاتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ توفیق دے کہ ہر شخص آگے بڑھے اور بغیر اِس بات کا انتظار کرنے کے کہ دوسرے کب اُس نیکی میں شامل ہوتے ہیں وہ سب سے پہلے ثواب حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ آمین"۔ ☆

(الفضل 22/ جولائی 1944ء)

☆ سردست یہ عہد اپنے دل میں ہونا چاہیے۔ یہاں تک کہ مَیں اِس کے قواعد بنا کر ایک مجلس کی تشکیل اسے دوں۔

---

1 : سیرت ابن ہشام۔ الجزء الاول زیر عنوان فی شھودہٖ علیه الصلٰوۃ والسلام حلف الفضول صفحہ 258۔ مطبوعہ القاہرہ 1964ء

2 : سیرت ابن ہشام جلد 2 صفحہ 29، 30۔ مطبوعہ مصر 1936ء

3 : البقرة: 46

4 : النساء: 86

5 : الاعراف: 180